التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

اسلام میں قضاء کی اہلیت وتقرری کا طریقہ کار اور پاکستان میں اس کے نفاذ کے رہنما اصول

حافظ عقیل احمد

Abstract

Judiciary is one of the important pillars of any state. It is vital obligation of judiciary to decree correct and timely decisions in the light of existing laws and constitution. It is also conscientious to uphold the supremacy of righteousness and justice. The article under consideration focuses on the appointmnets of the judges and their merit in the light of Islam. To determine the procedure of appointing judges in Islam and its practical implementation in Pakistan have also been discussed in this article. It also includes the interpretation of "Quza", its religious status in the light of Quran and Sunnah and assimilation of righteous Caliphate, opinions of four

jurists and according to research principles. This article also emphasizes the process of creating compatibility with religious needs and varying circumnstances in the context of evolution of civilization and changing age.

لفظ قضاء لغت میں قضی یقضی سے مصدر ہے اصل میں قضای تھا عربی زبان کے ایک اصول کے مطابق یا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ لغت کی کتابوں میں اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں لیکن فریقین کے درمیان فیصلہ کرنا اس کا کثیر الاستعمال مفہوم ہے۔

"قضی بین الخصمین و علیھما ای حکم بینھما و علیھما" یعنی اس نے فریقین کے درمیان فیصلہ کردیا اور ان پر اپنا فیصلہ نافذ کردیا۔ اسی اساسی مفہوم کی مناسبت سے فقہاء نے قضاء کی قانونی اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

کاسانی (م ۵۸۷ھ) نے قضاء کی تعریف یوں کی ہے۔

القضاء ھو الحکم بین الناس بالحق و الحکم بما انزل اللہ عز وجل (۱)

قضاء کا معنی ہیں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

قضاء کا معنی ہے ''حکم'' (۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقضی ربک الاتعبدوا الا ایاہ" (۳)

اور حکم دیا ہے تیرے رب نے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔

اور یہ لفظ فراغت کے معنی میں مستعمل ہے۔ "قضیت حاجتی" میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا اور قضی نحبہ کے معنی ہیں ''وہ مرگیا'' اور ادا کرنے اور پہنچانے کے معنی میں بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقضینا الیہ ذالک الامر" (۴) ہم نے اس تک یہ حکم پہنچادیا ''قضیت دینی'' میں نے اپنا قرض ادا کردیا اور اس کے معنی بنانا اور مقدر کرنا بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فقضھن سبع سموت فی یومین" اللہ تعالیٰ نے دو دن میں سات آسمانوں کو بنادیا (۵)

علامہ سید زبیدی نے بھی تقریباً یہی معنی لکھتے ہیں قضاء کا معنی ہے "حکم میں فیصلہ کرنا"(۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"

ولولا كلمة سبقت من ربك الى اجل مسمى لقضى بينهم" (۷)

ترجمہ: "اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا" اور حتمی امر کے معانی بھی ہیں اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے "ثم قضى اجلا"(۸) حتمی مدت مقرر کردی۔

علامہ ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ اہل حجاز نے کہا کہ لغت میں قاضی اس شخص کو کہتے ہیں جو معاملات میں فیصلہ کرنے والا اور حکم نافذ کرنے والا ہو صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا هذا قضى عليه محمد" یہ وہ ہے جس کا محمد ﷺ نے فیصلہ فرمایا"۔(۹)

ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ) علامہ قاسم سے نقل کرتے ہیں۔ "دینوی معاملات میں جو جھگڑے پیدا ہوں ان کے بارے میں اجتہاد کے مطابق فیصلے کو لازمی قرار دینے کا نام قضاء ہے"(۱۰) پس قضاء کسی مجاز حاکم کے اس فیصلے کو کہتے ہیں جس پر عمل درآمد لازمی ہو قاضی کے پاس اپنے فیصلے کو عملاً نافذ کرنے کے لیے قوت نافذہ ہوتی ہے اور یہ فیصلہ صرف اسی دائرہ کردہ مقدمہ کے بارے میں ہوتا ہر ایک کے لیے نہیں ہوتا۔

قضاء کے تقرر کی شرعی حیثیت

عدل بین الناس اسلامی حکومت کا بنیادی اصول ہے قرآن وسنت کا دیا ہوا قانون سب کے لیے یکساں ہے اور یہ مملکت کے ادنیٰ آدمی سے لے کر مملکت کے سربراہ تک سب پر یکساں نافذ ہے کسی کے لیے بھی امتیازی سلوک کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرماتا ہے کہ وامرت لاعدل بينكم(۱۱) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی (م ۱۹۷۹ء) لکھتے ہیں۔

کہ میں ان ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں میرا کام یہ نہیں کہ کسی گروہ کے حق میں اور کسی گروہ کے خلاف تعصب

برتوں۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے سراسر عدل و انصاف کا تعلق (۱۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں۔

اور مجھ پر حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں جو اختلاف تم نے ڈال رکھے ہوں ان کا منصفانہ فیصلہ کروں اور تمام معاملات میں عدل ومساوات قائم کروں۔ (۱۳)

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری یوں رقمطراز ہیں۔

مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر قسم کے ظلم وستم کا خاتمہ کردوں۔ تمام باطل کا قلع قمع کردوں زندگی کے ہر شعبے میں ایسا نظام رائج کردوں کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں تبلیغ احکام میں، تنفیذ احکام میں، امیر، غریب، شاہ، گدا، رومی وحبشی میں کوئی امتیاز برقرار نہ رکھوں(۱۴)

مفتی محمد شفیع اس آیت کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں۔

کہ میرے پاس جو معاملات باہمی جھگڑوں کے آویں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان میں عدل کروں(۱۵)

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

فاحكم بينهم بما انزل الله (۱۶)

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے آپ ﷺ کو آزادی دی گئی تھی کہ اگر چاہیں تو ان میں فیصلے کریں یا نہ کریں لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ کو وحی (یعنی اللہ کے نازل کردہ قانون) کے ساتھ ان میں فیصلے کرنا ضروری ہیں۔ (۱۷)

حضور ﷺ کے منصب کی ایک اہم ذمہ داری قیام عدل تھا۔ آپ ﷺ نے اس ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق پورا کیا ایک دفعہ بنو مخزوم کی ایک خاتون نے چوری کی آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا بعض صحابہؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس عورت کی سفارش کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون

الشریف والذی نفسی بیدہ لو فاطمۃ فعلت ذلک لقطعت یدھا (۱۸)

تم سے پہلی امتیں گزری ہیں وہ اسی لئے تو تباہ ہوئی کہ وہ لوگ کمتر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

علامہ وحید الزمان تیسیر الباری میں لکھتے ہیں۔

اس عورت کا نام فاطمہ تھا جو قبیلہ قریش کے معزز گھرانے بنو مخزوم سے تھی اس عورت نے زیورات چرائے تھے وہ پکڑی گئی تو لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے اس کی سفارش کون کرسکتا ہے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹیں کسی کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا کہ غریب کو سزا دوں اور معزز کو نہ دوں (۱۹)

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مقدمہ آیا آپ ﷺ نے عمرو بن العاصؓ کو حکم دیا کہ اس مقدمے کا فیصلہ کرو۔

عن عمر بن العاصؓ جاء رسول اللہ ﷺ خصمان یختصمان فقال لعمرو اقض بینھما یا عمرو فقال انت اولیٰ بذلک منی یا رسول اللہ قال وان کان قال فاذ اقضیت بینھما فمالی قال ان انت قضیت بینھما فاصبت القضاء فلک عشر حسنات وان انت اجتھدت فاخطاک حسنۃ (۲۰)

''حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنا مقدمہ پیش کیا آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا! اے عمرو ان کے درمیان فیصلہ کرو حضرت عمرو نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ فیصلہ کرنا میری بجائے آپ ﷺ کا منصب ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہر چند ایسا ہی ہے حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا اگر میں ان کے درمیان فیصلہ کروں تو مجھے کیا اجر ملے گا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے ان کے درمیان درست فیصلہ کیا تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر خطا ہوئی تو ایک نیکی ملے گی''۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔

منصب القاضی فرض لانہ ینصب لاقامۃ امر مفروض وھو القضاء ــــــ

ولان نصب الامام الاعظم فرض بلا خلاف بین اھل الحق ــــــ ومعلوم انہ لایمکنہ القیام بما نصب لہ فیحتاج الی نائب یقوم مقامہ فی ذلک وھو القاضی ولھذا کان رسول اللہ یبعث الی الآفاق قضاۃ ــــــ قد سماہ محمد فریضۃ محکمۃ (۲۱)

'' قاضی مقرر کرنا فرض ہے اس لئے کہ اس کا تقرر فرض کی ادائیگی کے لیے کیا جاتا ہے اور وہ ہے فیصلہ کرنا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امام الاعظم (یعنی خلیفہ) کا تقرر فرض ہے اور اس کے فرض ہونے میں اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خلیفہ اپنے فرائض منصبی تنہا ادا نہیں کرسکتا اس لیے لازما اس کو نائب کی ضرورت پڑے گی جو اس فرض کی ادائیگی میں اس کا قائم مقام ہو اور یہ نائب قاضی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف علاقوں میں قاضی بھیجا کرتے تھے۔ امام محمد نے قضاء کو ایک محکم فریضہ کا نام دیا ہے۔

ابن قدامہ حنبلی (م ۶۲۴ھ) لکھتے ہیں۔

والقضاء من فروض الکفایۃ لان امر الناس لایستقیم بدونہ فکان واجبا علیھم کالجھاد والامامۃ (۲۲)

''قضاء فرض کفایہ ہے اس لیے کہ اس کے بغیر لوگوں کی حالت درست نہیں ہوسکتی پس یہ واجب ہے جیسا کہ جہاد و امامت واجب ہے''۔

حاصل بحث یہ ہے کہ عدل بین الناس رسول اللہ ﷺ اور خلیفہ کا بنیادی فرض ہے تاکہ کوئی طاقتور کمزور پر ظلم کرکے اس کو اس کے حقوق سے محروم نہ کردے اس چیز کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ انسانی سرشت میں طمع و لالچ اور دوسروں پر غلبہ و تسلط کا جذبہ موجود ہے اور اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے نظام عدل ناگزیر ہے تاکہ ظالموں اور غاصبوں کو سزا دے کر بنی نوع انسان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور جابر لوگوں کو حق و انصاف کی قوت اور اقتدار کے سامنے جھکایا جاسکے۔

قضاء کی اہلیت از روئے قرآن و حدیث

قاضی کا فرض منصبی عدل و انصاف کرنا ہے قیام عدل کے لیے قاضی کا اہل ہونا ضروری ہے نااہل قاضی انصاف نہیں کرسکتا فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں قاضی کی اہلیت

کی درج ذیل شرائط بیان کی ہیں۔

1-مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے غیر مسلم قاضی (جج) کا تقرر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے فیصلے کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ارشاد خداوندی ہے۔

ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا (۲۳)

''اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا''۔

لہذا کافر کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہوتا۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غیر مسلموں پر غیر مسلم قاضی کا تقرر کیا جاسکتا ہے۔ (۲۴)

2-بالغ اور عاقل ہونا ہر ذمہ داری کے لئے ضروری ہے غلام خود اپنا مختار نہیں دوسروں کا کس طرح حاکم ہوسکتا ہے۔ غلامی کی وجہ سے شہادت دینے کا اہل نہیں تو عہدہ احکام اور تقرر قضا کا بدرجہ اولیٰ اہل نہ ہوگا۔ یہی حکم مکاتب مدبر اور اس شخص کا ہے جس کا کچھ حصہ غلام ہو (1) کیونکہ یہ سب مکمل آزادی سے محروم ہیں جس طرح غلام کا راوی روایت ہونا درست ہے۔ مفتی بننا بھی درست ہے اگر غلام آزاد ہوجائے تو قاضی بھی بن سکتا ہے۔ (۲۵)

3-امام شافعیؒ امام مالکؒ اور بعض احناف کی رائے میں قاضی کا فقیہ اور مجتہد ہونا شرط ہے۔ عام احناف کے نزدیک قاضی کا عالم اور مجتہد ہونا شرط نہیں بلکہ مستحسن ہے (۲۶) الماوردی کی رائے میں قاضی کے لیے ضروری ہے کہ علوم شرعیہ کے اصول سے واقفیت تامہ اور فروع میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہو اصول شرع چار ہیں۔ پہلا کتاب اللہ اس کا ایسا عالم ہو کہ تمام آیات ناسخ و منسوخ، محکم متشابہ، عام و خاص، مجمل، مفسر سے واقف ہو دوسرا سنت رسول اللہ ﷺ یعنی آپ کے تمام اقوال و افعال اور ان کے طریق و تواتر و احاد، صحت و فساد کا عالم ہو اور جانتا ہو کہ کون سی حدیث سبب خاص سے متعلق ہے اور کون سی مطلق ہے۔

تیسرا یہ کہ ان مسائل سے واقف ہو جن پر علماء سلف کا اجماع اور جن کا اختلاف ہے تاکہ اجماعی مسائل میں ان کی اتباع کرے اور مختلف فیہ میں اجتہاد سے کام لے۔

4-قیاس سے واقف ہونا کہ ایسی جزئیات کے احکام جن سے شریعت خاموش ہو اصول منصوصہ اور مسائل اجماعیہ سے استنباط کرسکے پس اگر اصول اربعہ سے ناواقف ہو اگر اس کو قاضی مقرر

کردیا گیا خواہ صحیح فیصلے کرے یا غلط اس کا تقرر باطل ہوگا۔ (۲۷)

5-جمہور فقہاء کی رائے میں قاضی کا عالم ہونا ضروری ہے اگر قاضی عالم نہ ہوگا تو قرآن و سنت کے مطابق فیصلے نہ کرسکے گا جس سے عدل قائم نہیں ہوسکے گا اور حکم خداوندی پر عمل نہیں ہوسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولاتتبع اھواءھم عما جاءک من الحق (۲۸)

''پس ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجیے اور جب آپ ﷺ کے پاس حق آگیا تو ان کی خواہشات پر عمل نہ کیجیے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں نبی ﷺ کو قرآن کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا پس قاضی اس وقت قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کرسکے گا جب وہ قرآن و سنت کا عالم ہوگا پس ثابت ہوا کہ قاضی کا قرآن و سنت کا عالم ہونا ضروری ہے۔

قاضی اور حاکم کے فرائض میں مماثلت ہے جس کی بناء پر جمہور فقہاء کے نزدیک جن میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد شامل ہیں عورت کو کسی قسم کے مقدمات میں قاضیہ نہیں بنایا جاسکتا ان کا استدلال ہے۔

الرجال قوامون علی النساء (۲۹) مرد عورتوں پر قوی / حاکم ہیں۔

ارشاد نبویؐ ہے۔ لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ (۳۰)

وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنا معاملہ عورت کے سپرد کرے گی۔

ابن قدامہ نے اس بارے میں ایک دلیل یہ دی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ خلفائے راشدین اور بعد کے امراء میں سے کسی نے بھی عورت کو نہ قاضی بنایا اور نہ کسی علاقے کا حکم بنایا اگر یہ جائز ہوتا تو یہ سارا دور اس سے خالی نہ ہوتا (۳۱)

امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں جن امور میں عورت کی شہادت درست ہے ان میں قضاء بھی درست ہے (۳۲) مگر ابن جریر کہتے ہیں کہ تمام احکام میں عورت کی قضاء درست ہے (۳۳)

6-الماوردی کی رائے میں قاضی کے لئے عادل ہونا شرط ہے۔ (۳۴)

احناف کے نزدیک قاضی کے لئے عادل ہونا شرط نہیں فاسق آدمی بھی قاضی کے

منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے فیصلے حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہوں تو وہ بھی نافذ ہوں گے تاہم مناسب یہی ہے کہ فاسق آدمی کا تقرر بطور قاضی نہ کیا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عدالت قضاء کے لیے شرط ہے۔(۳۵)

7- قاضی کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے بہتر یہی ہے کہ سلیم الاعضاء ہوتا کہ اپنے منصب کی ذمہ داریاں بہتر طور پر ادا کر سکے۔قوت سامع اور قوت باصرہ کی سلامتی ہوتا کہ اثبات حقوق کی صحت مدعی اور مدعا علیہ میں فرق، اقرار اور انکار کرنے والوں میں فرق ممکن ہو حق و باطل پوری طرح کھل جائے اور حقدار کو حق پہنچے۔لہٰذا اندھے کی تقرری باطل ہوگی مگر امام مالکؒ شہادت کی طرح اس کی قضاء کو جائز قرار دیتے ہیں اور بہرے کے متعلق بھی یہی اختلاف ہے۔

البتہ اعضاء کی سلامتی کو امانت میں دخل ہے مگر منصب قضاء میں دخل نہیں مگر رعب اور دبدبہ کے لیے یہی مناسب ہے کہ صحیح الاعضاء ،توانا اور تندرست آدمی کو قاضی مقرر کیا جائے (۳۶) بہرا، اندھا، گونگا لنگڑا منصب قضاء کے تقاضے صحیح پورے نہیں کرسکتا اس لیے سلیم الاعضاء آدمی ہی قاضی کے تقرر کا سب سے زیادہ اہل ہے۔امام بخاریؒ م 256ھ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز م 101ھ کا قول نقل کیا ہے جس میں قاضی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پانچ چیزیں ہیں اگر ان میں سے ایک بھی قاضی سے رہ گئی تو اس کے اندر عیب اور خرابی پیدا ہوجائے گی۔

پہلی چیز یہ ہے کہ فہم و دانش رکھتا ہو معاملہ فہم ہو دوسری یہ کہ نرم مزاج، بردبار اور وسیع القلب ہو تیسری یہ کہ عفیف، پاکدامن اور بلند کردار ہو، چوتھی یہ کہ قوانین کے نفاذ میں مضبوط دل والا ہو اور پانچویں یہ کہ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو(۳۷)

8-اہل حل وعقد اور قضاء کے لئے صاحب بصیرت اور قوت فیصلہ کا مالک ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔　　　واتینہ الحکمۃ وفصل الخطاب (۳۸)

''ہم نے اسے (داؤد علیہ السلام)کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت دی''۔

9- قاضی کے تقرر میں یہ مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ مقرر کئے جانے والا شخص قضاء کا

طالب نہ ہو۔

من طلب القضاء و استعان علیہ وکل الیہ ومن لم یطلبہ ولم یستعن علیہ انزل اللہ ملکاً یسددہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جوکوئی منصب قضاء طلب کرے یا اس طلب پر کسی سے مدد چاہے تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور جو قضاء کا طالب نہ ہو اور اس کے حصول کے لیے کوئی سعی و سفارش نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیج دیتے ہیں۔ جو اس کے تمام کاموں کی درستی و اصلاح کرتا رہتا ہے۔(۳۹) امیرالمومنین حضرت عمر فاروق ؓ نے عراق کے گورنر ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام ایک خط لکھا کہ امیر کے سوا کوئی شخص مقدمات کی سماعت نہ کرے اس لئے کہ امیر کے ساتھ سیاست کا وہ دبدبہ بھی ہے۔ جس کے خوف سے ظلم پیشہ اور جھوٹے گواہ لرز جاتے ہیں(۴۰)

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق قاضی کو مجتہد ہونا چاہیے...... اگر ایک شخص قاضی بنایا گیا اور وہ عادل تھا پھر فاسق ہوگیا (یعنی رشوت شراب، یازنا میں ملوث ہوا)........ تو سلطان پر واجب ہے کہ اسے معزول کرے۔ (۴۱)

اس کے ساتھ ساتھ لوگوں سے برتاؤ اور معاملہ کرنے میں اخلاق جمیلہ اور خصائل حمیدہ سے آراستہ ہونے کو ادب کہتے ہیں اور قاضی کا ادب یہ ہے کہ جس کو شرع نے اچھا کہا ہے عدل کو پھیلانا، ظلم کو دور کرنا،حق سے تجاوز نہ کرنا، حدود شرع کی حفاظت کرنا اور سنت طریقہ پر چلنا۔(۴۲)

اسلام (خلافت راشدہ) میں قضاء (جج) کی اہلیت اور تقرری کا طریقہ کار

کسی بھی حکومت کے نظم ونسق کا انحصار عہدیداروں کے صحیح انتخاب پر ہوتا ہے شرعی اصطلاح میں ان کو اولوالامر کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان اللہ یامرکم ان تودوالامانات الی اھلھا(۴۳)

ترجمہ: ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کیا جائے''۔

دور خلافت راشدہ میں عہدیداروں کے انتخاب کا معیار وہی تھا جو دور نبویؐ میں تھا۔ اولوالامر کے انتخاب میں خلفائے راشدین کا اصول یہ تھا کہ جس عہدہ کے لیے کسی شخص کو منتخب کیا جائے اس

میں عہدہ کی ذمہ داریاں سرانجام دینے کی انتظامی اور شرعی اہلیت ہو۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں بہترین نظم و نسق کے ساتھ حکومت کو چلایا۔ آپؓ کا سب سے اہم اصول یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی شخص کو جس منصب پر فائز کیا اسے عہدہ پر برقرار رکھا۔

عہد نبوت میں مکہ پر سیدنا عتاب بن اسیدؓ، طائف پر سیدنا عثمان بن ابی العاصؓ، صنعاء پر سیدنا مہاجر بن امیہؓ، حضر موت پر سیدنا زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر سیدنا علاء بن الحضرمی کو حاکم و قاضی مامور کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔(۴۴) دور صدیقی میں مدینہ میں عہدہ قضاء سیدنا فاروق اعظمؓ کے پاس تھا آپؓ مدینہ میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس تھے۔(۴۵) عموماً والی گورنر یا والی کے پاس عہدہ قضاء بھی ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عہدیداروں کے تقرر میں یہ اصول مدنظر رکھا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیضان صحبت و تربیت سے زیادہ بہرمند ہو چنانچہ اس بارے میں سابقون الاولون کو ترجیح دی گئی۔

عہدوں کی تقسیم اور تقرری میں ایک اصول یہ اپنایا کہ کنبہ پروری، اقربا نوازی اور جانبداری سے کلی اجتناب کیا جائے عہدہ صرف اہل شخص کو دیا جائے جب تک کسی عہدہ دار کی کارکردگی کا یقین نہ ہوتا اس وقت تک عارضی تقرر کرتے تھے۔ مستقل تقرری کے لیے بہتر کارکردگی شرط تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یزید بن ابی سفیان کو جب شام کی امارت دی تو فرمایا میں نے تم کو اس لیے والی بنایا کہ میں تم کو آزماؤں، تمہارا تجربہ کروں اور تم کو ٹریننگ دوں اگر تم نے اچھا کام کیا تو تمہیں اس عہدہ پر برقرار رکھوں گا اور ترقی دوں گا اور اگر تمہارا کام اچھا نہ ہوا تو تمہیں عہدہ سے الگ کردوں گا۔(۴۶)

ملکی نظم و نسق میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ جب کسی شخص کو کسی عہدہ پر مامور فرماتے تو اس کے فرائض کی تشریح بھی اس کے سامنے کردیتے اور سلامت روی اور تقویٰ جو دین کی روح ہے اس کی موثر انداز میں تلقین فرماتے چنانچہ جب آپؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ولید بن عقبہ کو عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا ''جلوت و خلوت'' میں حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایک ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایک ایسا ذریعہ کردیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ جو خدا سے

ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کردیتا ہے اور اس کا اجر دگنا کردیتا ہے

بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیرخواہی بہترین تقویٰ ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں دین کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے۔ لہٰذا سستی اور غفلت کو راہ نہ دینا۔(۴۷)

دور فاروقی میں بڑے بڑے عہدیداروں کا انتخاب مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔ سیدنا عمرؓ کسی لائق باز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے اور چونکہ سیدنا عمرؓ میں جوہر شناسی کا مادہ فطرتاً تھا اس لیے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کرلیتے تھے۔(۴۸)

حضرت عمرؓ کسی عامل کا تقرر کرتے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی تھی جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا وہاں پر وہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا(۴۹)

''عمال کی روانگی کے وقت ان کے سامان کی ایک فہرست محفوظ کرادی جاتی تھی واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال اسباب نکلتا تھا اس سے بازپرس کی جاتی تھی اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں جمع کردیا جاتا تھا''۔(۵۰)

حضرت عمرؓ جن لوگوں کو عامل بنا کر کہیں بھیجتے تھے ان کو خطاب کر کے کہتے

''میں تم کو امت محمد ﷺ پر اس لئے عامل مقرر نہیں کررہا ہوں کہ تم ان کے مالوں اور ان کی کھالوں کے مالک بن جاؤ بلکہ میں اس لئے تمہیں مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو لوگوں میں حق کے ساتھ حق فیصلہ کرو اور عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو''۔(۵۱)

حضرت عمرؓ قضاء کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے صرف انہی لوگوں کو قاضی مقرر کرتے تھے جو علم، تقویٰ اور قوت فیصلہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور صاحب عظمت نہ ہو اس کو قاضی نہ مقرر کیا جائے اس اصول کی وجہ یہ بتائی کہ دولت مند عموماً رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور بااثر کے خلاف فیصلہ کرنے میں رعب و دبدبے کا لحاظ نہ رکھے گا۔(۵۲)

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کے ماتحت ہوتا تھا ان لوگوں کو قضاء کے تقرر کا پورا اختیار ہوتا تھا تاہم حضرت عمرؓ خود لوگوں کا انتخاب کر کے بھیجتے تھے حضرت عمرؓ اکثر عملی اور ذاتی تجربہ کے بعد قضاۃ کا انتخاب کرتے تھے قاضی شریح کی تقرری اسی طرح کی گئی تھی۔ (۵۳)

حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں مدینہ میں قضاء کی ذمہ داریاں حضرت علیؓ پوری کرتے تھے۔ جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

قضانا علی و قرانا ابی بن کعب (۵۴)

''میری امت کے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں اور سب سے بڑی قاری ابی بن کعبؓ ہیں''

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ہم صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے سیدنا علیؓ ہیں (۵۵) قاضی شریح بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمرؓ نے مجھے قاضی بنایا تو آپؓ نے یہ شرط لگائی کہ میں نہ فروخت کروں گا نہ خریدوں گا اور نہ رشوت لوں گا۔ (۵۶) سیدنا عثمانؓ نے بھی حضرت عمر فاروق ؓ کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قضاۃ کی تقرریاں کیں۔ (۵۷)

سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں چیف جسٹس سیدنا زید بن ثابت تھے اور شام کی صوبائی عدالت کے جج سیدنا ابودرداؓ تھے۔ (۵۸) حضرت سیدنا عثمانؓ بھی قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہمیشہ اہل علم، متقی اور خوف خدا رکھنے والے اصحاب کو قاضی مقرر فرماتے تھے۔

حضرت علیؓ دور نبویؐ میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہ چکے تھے۔ عہد فاروقی میں بحیثیت قاضی خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ اس لیے قضا کے مسائل کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اس بناء پر قضاۃ کے انتخاب میں ان کا معیار خلفاء ثلاثہ سے بھی کڑا تھا۔

حضرت علیؓ نے اپنے دور میں حضرت شریح کو قاضی برقرار رکھا اور ان کی سالانہ تنخواہ ۵۰۰ درہم تھی۔ (۵۹)

الغرض خلفاء راشدین قضاۃ کا انتخاب اور تقرر خود کرتے تھے تاہم حضرت عمر فاروقؓ

نے بعض گورنروں کو قاضی کے تقرر کا اختیار دیا تھا دور خلافت راشدہ میں قضاۃ کی اہلیت کا معیار اور تقرری کا طریق کار وہی تھا۔ جو دور نبویؐ میں تھا۔ خلفاء راشدین صرف انہیں افراد کو قاضی مقرر کرتے تھے جو صاحب علم، متقی، صاحب رائے، معتمد، قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھنے والے بہترین قوت فیصلہ کے مالک اور اہل علم سے مشورہ کرنے والے تھے یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین بھی عدالت میں ایک عام آدمی کی طرح پیش ہوتے تھے اور عدالت سے ہر شخص کو عدل و انصاف ملتا تھا۔

اسلام نے قاضی کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اگرچہ دور حاضر میں درج بالا صفات کے حامل افراد کا ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور اکثر ان صفات کے حامل افراد اس منصب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ایسی صورت میں فقہاء کی رائے ہے کہ قضاۃ کے لیے اگر تمام مطلوبہ شرائط پر پورے اترنے والے افراد میسر نہ ہوں تو نسبتاً بہتر صفات کے حامل افراد کا تقرر کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعی تقاضوں کے پیش نظر قانون کے مطابق فیصلہ کریں۔

عصر حاضر میں حکومت کو چاہیے کہ قضاۃ کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے ادارے قائم کرے جہاں شرعی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تدریس کا معیاری انتظام ہوتا کہ فارغ التحصیل قضاۃ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے کرنے کے اہل ہوں۔

آج سے چودہ سو سال پہلے نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں جو مسئلہ پیش آتا اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کا حل بھیج دیتے۔ آنحضرت ﷺ اس کی وضاحت فرماتے جو قانون الٰہی بن جاتا آپ ﷺ کی رحلت کے بعد انسانیت کو پیش آنے والے مسائل کا حل بذریعہ اجتہاد کیا جاتا ہے۔

دور خلافت راشدہ اسلامی تاریخ کا عہد زریں اور دینی اور فقہی اعتبار سے حجت ہونے کے باوجود زمان و مکان اور ظروف و احوال کے ایک خاص پس منظر کا حامل تھا۔ اس وقت کا معاشرہ خالص قبائلی بنیادوں پر قائم تھا۔ لہٰذا اس دور کا نظام مشاورت بھی لامحالہ اسی کی اساس پر استوار تھا اور کسی گھرانے کے سربراہ یا قبیلے کے شیخ کی رائے معلوم ہوجانے کے بعد اس کے ایک فرد سے رائے لینا سوائے وقت اور وسائل کے ضیاع کے اور کچھ نہ تھا۔ وہاں یہ حقیقت بھی

مسلم تھی کہ آج سے چودہ سو سال پہلے نوع انسانی بحیثیت مجموعی سیاسی شعور کے اعتبار سے عہد طفولیت میں تھی اور ابھی سیاسی اداروں کے نشوونما کا عمل جاری تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے انتخاب میں تمام اہل مدینہ نہیں بلکہ مدینہ کے اصحاب حل وعقد نے حصہ لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی وفات سے پہلے اپنا جانشین حضرت عمر فاروق ؓ کو نامزد کیا تو اصحاب حل وعقد سے مشورہ لیا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی وفات کے بعد مدینہ کے اصحاب حل وعقد نے بیعت کی۔

حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت کا وقت آیا تو بعض صحابہ کرام ؓ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کو مشورہ دیا کہ اپنا جانشین مقرر فرمادیں آپ ؓ نے اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا بلکہ چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد کی اور فرمایا ان چھ میں سے جس کو چاہو اپنا امیر المومنین منتخب کرلو چنانچہ مشاورت کے بعد حضرت عثمان ؓ امیر المومنین منتخب ہوئے۔ خلیفہ چہارم حضرت علی ؓ کا انتخاب ہنگامی طور پر ہوا۔ ان چاروں خلفائے راشدین کے انتخاب میں جو چیز مشترک تھی وہ یہ کہ ان کا الیکٹورل کالج مدینہ کے اصحاب حل وعقد تھے۔ ان تمام آثار سے مذہبی اور خاندانی ملوکیت کی نفی ہوتی ہے۔ اس لیے عصر حاضر میں تقرر قضاء کے لیے ان سنہری اصولوں پر عمل ہونا چاہیے۔

لیکن عصر حاضر میں کسی اسلامی مملکت کے سربراہ یا اسلامی حکومت کے سربراہ کا انتخاب کرنا ہو تو اس انتخاب میں مملکت کے تمام افراد کا بالواسطہ یا براہ راست حصہ لینا لازم ہے کیونکہ ایک تو ارتقاء تمدن کی وجہ سے ہر شخص میں اتنا سیاسی شعور ہے کہ سربراہ مملکت / سربراہ حکومت کے انتخاب میں اپنی رائے دے سکے۔ دوسرا یہ کہ بعض فقہائے کے مطابق تمام مسلمانوں کے قانونی حقوق برابر ہیں۔

آج دنیا میں کئی سیاسی نظام رائج ہیں، وحدانی صدارتی، وفاقی صدارتی (جیسے امریکہ میں ہے) کنفیڈرل صدارتی، وحدانی، پارلیمانی، وفاقی پارلیمانی اور کنفیڈرل پارلیمانی یہ چھ کے چھ جائز ہیں۔ تاہم عصر حاضر میں ان کو روح اسلام کے مطابق ڈھالنا ہوگا اس کے لیے اجتہاد اور قیاس کرنا ہوگا۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل ہائی کورٹس کے شریعت بینچ کے جج سینئر

وکلاء، یونیورسٹی و کالجز اور معروف دینی مدارس کے ماہر اساتذہ کی بصیرت افروز آراء سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تبدیلی زمانہ اور شرعی احکامات کی تعمید

قرآن مجید نوع انسان کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں انسان کے لیے قیامت تک کے تمام ادوار کے بنیادی مسائل کا حل موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان قرآن مجید میں غوروفکر کرکے ان مسائل کا حل تلاش کرے ارشاد ربانی ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (۶۰)

"اور (قرآن مجید) ہم نے آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی وضاحت فرمادیں جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے تاکہ وہ فکر کریں"۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ غوروفکر کرنا لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ غوروفکر ہی کے ذریعے انسانی مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ تاہم جن مسائل کے متعلق قرآن اور احادیث میں کوئی حکم نہیں ان کے حکم کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجتہاد اور قیاس کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا رکھا تاکہ حالات کے مطابق مجتہدین ان مسائل کا حل تلاش کرسکیں۔ حالات اور زمانہ کی رعایت سے شرعی احکام کے نفاذ میں تبدیلی کی مثالیں نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین سے بھی ملتی ہیں۔

(الف) خیبر فتح ہوا تو اس کی پوری زمین اللہ کی ملک قرار دی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس طرح تقسیم فرمائی:

i۔ کچھ حصہ مجاہدین کو دیا گیا۔

ii۔ بقیہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا گیا اور پیداوار میں حکومت اور اصل باشندوں کو شریک کیا گیا (۶۱)

(ب) غزوہ بنو نضیر کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو جمع فرمایا اور ترغیب دی کہ مہاجرین غریب ہیں انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مال پورا انہیں تقسیم فرمادیں اور ہمارے اموال میں سے بھی جو چاہیں انہیں دے دیں۔ (۶۲)

(ج) بنو قریظہ کی جو زمین خلافت کے زیر انتظام تھیں مسلمانوں میں تقسیم کردی تھیں۔(٦٣)
(د) مکہ فتح ہوا تو تمام زمین اللہ کی ملکیت قرار دی گئی مگر انہیں اہل مکہ کے پاس رہنے دیا گیا۔(٦٤)

دور نبوی اور دورِ خلافت راشدہ کی درج بالا مثالوں میں سزاؤں اور احکام میں تبدیلی حالات اور تبدیلی زمانہ کی وجہ سے تھی۔ اسلامی فقہ کا مسلمہ اصول ہے کہ علت کے بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے۔ نیچرل سائنسز میں ترقی اور ارتقاء تمدن کی بدولت انسانوں کو ہر روز نئے مسائل درپیش ہیں۔ لیکن اسلام نے بنی نوع انسان کو پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد اور قیاس کا دروازہ تا قیامت کھلا رکھا تاکہ اہل حل وعقد حالات اور عصری تقاضوں کے پیش نظر روح اسلام اور روح عصر کے عین مطابق آنے والے مسائل کا حل تلاش کرسکیں۔

خلاصہ تحقیق

1- عصر حاضر میں پاکستان میں ججز (قضاۃ) کی تقرری کرتے وقت عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صاحب کردار صاحب حیثیت اور معزز افراد کا تقرر بذریعہ لازمی امتحانات و انٹرویو کیا جائے تاکہ قضاۃ عدالتی طریق کار میں غفلت، کوتاہی، سست روی اور رشوت ستانی کے مرتکب نہ ہوں بلکہ بغیر کسی سیاسی، معاشرتی اور معاشی دباؤ کے عدل و انصاف سے فیصلے کریں۔

2- خلافت راشدہ میں قضاۃ کی تقرری کرتے وقت ان کے مال و اسباب کی فہرست تیار کی جاتی تھی اور یہ فہرست امیر المومنین کے پاس محفوظ رہتی تھی دوران ملازمت یا ملازمت کے بعد قضاۃ کے اثاثہ جات کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ عصر حاضر میں پاکستان میں قضاۃ کی تقرری کے وقت اثاثہ جات کی تفصیل لی جائے اور دوران ملازمت اور ریٹائرڈ منٹ کے بعد قضاۃ کے اثاثہ جات کی باقاعدہ پڑتال کی جائے۔

3- عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں قضاۃ کا تقرر خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر ہوتا تھا کسی قسم کی سیاسی مداخلت اقربا پروری اور کوئہ سسٹم نہ تھا اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان میں بھی سیاسی مداخلت اور اقربا پروری کا خاتمہ ہونا چاہیے ماتحت عدالتوں کے ججز کی طرح اعلیٰ

عدالتوں کے جج صاحبان انتخاب (سلیکشن) کے لیے بھی مقابلہ کے امتحان کا انعقاد کیا جائے تاکہ اہل اور باصلاحیت افراد ہی اعلیٰ عدالتوں میں ججز (قضاۃ) عہدوں پر فائز ہوسکیں۔ کوٹہ سسٹم مباحات میں سے ہے بوقت ضرورت اس کو معیار بنایا جاسکتا ہے۔

4- حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک دفعہ یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ قضاۃ کو خصوصی ہدایات جاری کریں۔ یہ ہدایات امیر المومنین نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیجی تھیں۔ اس طرز پر دور حاضر میں سربراہ مملکت یا چیف جسٹس آف پاکستان کی طرف سے نئے ججز کی تربیت کے لیے خصوصی ورکشاپ کا انعقاد کیا جائے۔ ان ورکشاپس میں سینئر یا ریٹائرڈ ججز تربیت دیں تاکہ ان کے زندگی بھر کے تجربات سے استفادہ کیا جاسکے۔

5- عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں عدلیہ مکمل طور پر آزاد تھی حتیٰ کہ امیر المومنین کو بھی کئی بار بحیثیت مدعا علیہ پیش ہونا پڑا وطن عزیز پاکستان میں بھی اسلامی ریاست کی پاسداری اور آئین کی بالادستی قائم کرنے کے لیے عدلیہ کو اسی طرز پر مکمل آزادی دی جانی چاہیے۔

6- دور نبویؐ اور خلافت راشدہ میں قضاۃ کے تقرر کے لیے مسلمان ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا پاکستان کے آئین و قضاۃ کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کی جائے تاہم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوٹہ مختص کیا جانا چاہیے۔

7- اسلام کے سنہری دور خلافت راشدہ میں کسی متنازعہ شخص کو قاضی مقرر نہیں کیا گیا۔ عصر حاضر میں پاکستان میں بھی قضاۃ کی تقرری کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ وہ کسی سیاسی جماعت کے موجودہ/سابق رکن یا عہدیدار نہ ہوں کیونکہ سیاسی وابستگیاں عدل و انصاف کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہوسکتی ہیں۔

اگرچہ عہد رسالت میں عہدہ طلب کرنے والوں کو کوئی منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ تاہم عصر حاضر میں اوپن میرٹ کی بنیاد پر ججز کی تقرری کے لیے باصلاحیت امیدوار خود عہدہ طلب کرنے کے لیے درخواست جمع کرواتے ہیں۔ حکومت کی جانب سے بھی درخواستیں طلب کی جاتی ہیں۔ عرف عام اور استحسان کی رو سے یہ طرز عمل جائز سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس پر اجماع سکوتی

ہو چکا۔ کیونکہ معروف دینی حلقوں حتیٰ کہ سواد اعظم بھی اس ضمن میں خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ خالصتاً عقلی نقطۂ نظر سے بھی ایسا جائز ہے کیونکہ ارتقائے تمدن، عصری تقاضوں اور جدید تناظر کے اعتبار سے امیدواروں کا عہدوں کے لیے خود کو پیش کرنا اتنا عام شفاف اور واضح ہے کہ ایک طرف قیام عدل کے لیے مروجہ طریقہ سے معاونت حاصل کی جاتی ہے اور دوسری جانب روح عصر اور روح دین میں مطابقت قائم ہوتی ہے۔ اس کے بہت سے شواہد خیر القرون میں اولیات عمر کے حوالے سے ملتے ہیں۔ مثلاً احادیث کی رو سے ام ولد کی خرید و فروخت جائز تھی۔ لیکن حضرت عمر نے وسیع تر مصلحتوں اور مقاصد کے حصول کے لیے اس پر پابندی عائد کردی یہی حال بیس تراویحوں پر اجماع جمع تدوین قرآن اور مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ سے الگ کرنے کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی نمایاں مثال عزیز مصر کے سامنے جناب یوسف علیہ السلام کا اپنی خدمات پیش کرنے کا واقعہ ہے۔

8- قضاء خالصتاً ایک تکنیکی اور فنی شعبہ بھی ہے۔ اس لیے ججز کے انتخاب میں ان کی فنی مہارت، تجربہ اور ان کے قائم کردہ قانونی نظائر کا بھی لحاظ رکھنا جدید حالات کا تقاضا ہے اور یہی دین اسلام کی تعلیم بھی ہے۔

9- ججز کے تقرر کے بعد ان کی سالانہ کارکردگی رپورٹ کو مسلسل بہتر بنانے کے لیے ان کے سروس رولز پر بھی پانچ سالہ عرصہ میں نظر ثانی ہونی چاہیے۔ تاکہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے مطابق سروس رولز کو بہتر بنایا جاسکے۔

10- اگرچہ خلافت راشدہ میں ججز کے لیے دربان مقرر کرنا منع تھا تاہم موجودہ دور میں سکیورٹی کے مسائل کی وجہ سے ججز کو مکمل قانونی تحفظ دیا جاتا ہے۔ تاہم ان کی سکیورٹی کو مزید بہتر اور محفوظ بنانے کے لیے تبدیلی وقت کے ساتھ ساتھ سکیورٹی کے انتظامات بھی مزید بہتر بنائے جائیں۔ تاکہ سیالکوٹ جیسے واقعات کا اعادہ نہ ہوسکے۔ جہاں خطرناک ملزموں کے مقدمہ کی سماعت کے لیے ججز حضرات جیل میں عدالت لگائے ہوئے تھے کہ ان خطرناک مجرموں نے ان بے گناہ اور معصوم ججوں کو قتل کردیا تھا۔

حوالہ جات

(۱) کاسانی، ابوبکر بن مسعود حنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارالکتب العلمیہ قاہرہ، 1982، ج ۷، ۹۳
(۲) النباہی، ابوالحسن، تاریخ القضاۃ الاندلس دارالکاتب مصر قاہرہ، 1948، ص 15
(۳) بنی اسرائیل، ۲۳
(۴) الحجر، ۲۶
(۵) حم سجدہ ۱۲
(۶) زبیدی سید مرتضیٰ حسینی حنفی، تاج العروس شرح القاموس، مطبعۃ المطبعۃ الخیریہ قاہرہ 1974، ج ۱۰، ص ۴۹۶
(۷) الشوریٰ ۱۴
(۸) الانعام ۲
(۹) ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت 1956، جلد ۱۵، ص ۱۸۶
(۱۰) ابن عابدین شامی، حاشیہ ابن عابدین، دارالکتب قاہرہ، 1982، ج ۵، ص ۳۵۴
(۱۱) الشوریٰ ۱۵
(۱۲) مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع جون ۲۰۰۱، ج ۴، ص ۴۴۳-۴۴۲
(۱۳) شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، سن ندارد، ص ۷۶۸
(۱۴) الازہری پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1997، ج ۴، ص ۳۷۱
(۱۵) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ادارہ المعارف کراچی، طبع ۲۰۰۱، ج ۷، ص ۲۸۰
(۱۶) المائدہ ۴۸
(۱۷) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مقبول اکیڈمی لاہور، طبع ۱۹۸۸، جلد اول، ص ۲۳۵
(۱۸) بخاری کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع، حدیث نمبر ۱۲۹۷، مکتبہ رحمانیہ لاہور 1998
(۱۹) وحید الزمان، تیسیر الباری ترجمہ و شرح صحیح بخاری، تاج کمپنی لاہور، س ن کتاب الحدود، جلد ۸، ص ۵۳۹
(۲۰) احمد بن حنبل، المسند، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، 1985، جلد ۲، ص ۲۰۵
(۲۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۴۷
(۲۲) ابن قدامہ، المغنی طبع مصر ۱۹۹۰، ج ۱۰، ص ۳۲
(۲۳) النساء، ۱۳۱
(۲۴) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، طبع مصر 1988، ص ۱۱۳
(۲۵) کاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۷، ص ۴۷
(۲۶) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹

(۲۷) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹ تا ۱۲۲

(۲۸) المائدہ، ۴۸

(۲۹) النساء، ۳۴

(۳۰) بخاری، صحیح بخاری، کتاب القصص، مکتبہ رحمانیہ لاہور، 1992 ، جلد سوم، ص 188

(۳۱) ابن قدامہ، المغنی، لابن قدامہ، ج ۲، ص ۳۶

(۳۲) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹

(۳۳) ایضاً ایضاً

(۳۴) ایضاً ایضاً

(۳۵) کاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۳۸، ۴۶

(۳۶) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹

(۳۷) بخاری، کتاب الاحکام، جلد دوم، ص 180

(۳۸) ص ۴۰

(۳۹) ابی داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، احسان پبلشر لاہور ۱۹۸۷ء، جلد دوئم، ص 180

(۴۰) السرخسی، المبسوط، دارالفکر بیروت، س ن، جلد ۱۶، ص ۴۲

(۴۱) ابن جوزی، ابو الفرج عبدالرحمٰن، سیرت عمر ابن خطاب، دارالکتب مصر 1988 ، ص 132

(۴۲) حضرت ابوبکر تاریخ و سیاست کی روشنی میں، طہ حسین طبع مصر 1988 ، ص 40

(۴۳) النساء نمبر 58

(۴۴) ابن جریر، تاریخ طبری، تاریخ الرسل والملوک دارالمعارف قاہرہ س ن، جلد ۲، ص ۶۱۷

(۴۵) سیوطی، جلال الدین تاریخ الخلفاء، نفیس اکیڈمی کراچی، 1983 ، ص 125

(۴۶) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ دار القلم بیروت، 1998 ، جلد ۲، ص ۳۵

(۴۷) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ جلد ۲، ص ۳۶

(۴۸) ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، جلد ا، ص ۴۷۸

(۴۹) ابو یوسف، کتاب الخراج، مکتبہ دانیال اردو بازار لاہور، 1992 ، ص 232

(۵۰) البلاذری، فتوح البلدان، دارالمعارف قاہرہ، 1957 ، ص ۱۴۴۶

(۵۱) ابن جریر، تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۲۷۳،

(۵۲) شبلی، الفاروق، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1992 ، ص ۳۰۴

(۵۳) شبلی الفاروق، ص ۳۰۴

(۵۴) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ الاسلام، نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور 1985 ، ج ۳، ص ۱۷۵

(۵۵) ابن سعد، طبقات ابن سعد، دار صادر بیروت 1972 ، ج ۳، ص ۱۰۲

(۵۶) حاکم، مستدرک حاکم، المطبع امیریہ، قاہرہ 1978 ، ج ۳، ص ۱۳۵

(۵۷) ابن جریر، تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۲۳۶

(۵۸) ابن اثیر، تاریخ ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۲۰

(۵۹) ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، ص 172

(۶۰) النحل، ۴۴

(۶۱) ابن قیم، زادالمعاد، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۳ء، جلد ۲، ص ۱۲۸

(۶۲) ایضاً ایضاً جلد ۲، ص ۱۷

(۶۳) ایضاً ایضاً جلد ۲، ص ۱۷

(۶۴) تقی امینی، احکام شرعیہ میں حالات اور زمانہ کی رعایت، فیصل ناشران کتب اردو بازار لاہور، س ن، ص ۱۳۳

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

تفکر و تدبر کا اسلامی تصور

حافظ محمد اویس

Abstract

Theories with long lasting slightness can change the waves of shore, can revolute the nations and states can change the societies it can succeed the great victories.

But he dimension of the combine thinking should be righteous which also needs the centripetal force other wise it will be scattered and hence can not fight with the hindrances.

Now days we are centered with materialist world which is not righter one.

Rights thinking can enlighten your hart this thesis is elaborating rights thinking its centralized force, advantages and opportunities, methods and resources.

So that such a "Momin" can prolong his thinking in the way of almighty, because only to be born in a house of a Muslim is not a sign of true Muslim,.

تفکر و تدبر قوموں کی تقدیر بدلنے کا ضامن ہے۔ جن قوموں کا شعار تفکر و تدبر ہو وہ کبھی ڈگمگایا نہیں کرتیں۔ تفکر و تدبر کو سمجھنے کیلئے مناسب ہوگا کہ ہم اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے واقفیت حاصل کریں تفکر و تدبر دو ہم معنی و مترادف الفاظ ہیں۔ تاہم ان کے معنی و مفاہیم کو ہم الگ الگ بیان کریں گے۔

تفکر کا لغوی مفہوم

"تفکّر" فِکر سے باب تفعّل ہے۔ اَلفِکرُ اور اَلفَکرُ کا معنی ہے:

"إعمالُ الخاطِرِ فی الشَّیْءِ" (۱)

یعنی "کسی چیز کے اندر کھٹکا یا تردد پیدا ہونا"

فکر دراصل "فرک" سے مقلوب ہے جس کا معنی ملنا، رگڑنا اور کھرچنا ہے۔ کیونکہ جس معنی میں یہ مستعمل ہے وہ "فرک الامور والبحث" ہے۔ یعنی طلب حقیقت و تلاش معرفت۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "الفکر" دراصل "الفرک" تھا۔ جو کثرت استعمال سے "الفکر" بن گیا۔ اور "الفرک" کے معنی ہیں:

"دلکُ الشَّیْءِ حتی ینقطع قشرہ عن لبه کا لجوزِ". (۲)

یعنی "کسی شی کو اتنا رگڑنا کہ اس کا چھلکا اس کے گودے سے الگ ہوجائے جیسے اخروٹ۔"

تفکر کا اصطلاحی مفہوم:

شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں:

"تصرف القلب فی معانی الأشیاء لدرک المطلوب". (۳)

یعنی "مطلوب کو پانے کیلئے دل کو اَشیاء کی حقیقت و معنی کی تلاش میں استعمال کرنا۔"

فکر کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

"سراجُ القلب یریٰ به خیرہ وشرّہ ومنافعه و مضارّہ وکل قلب لا تفکر فیه فهو فی ظلمات یتخبط". (۴)

یعنی "فکر دل کا چراغ ہے جس سے اس کیلئے بھلائی و شر اور منافع و نقصان کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور ہر وہ دل جس میں فکر کی عادت نہ ہو وہ اندھیروں میں ہے جو اس کو دیوانہ

کر دیں گے۔"

اور کہا گیا ہے کہ: "اَلْفِکْرُ مِصْبَاحُ الْاِعْتِبَارِ وَمِفْتَاحُ الْاِخْتِیَارِ" (۵)

یعنی "فکر، عقل کا چراغ اور حقائق کی چابی ہے۔"

فکر کو طائرِ حکمت کا جال بھی قرار دیا گیا ہے چنانچہ شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں:

"اَلْفِکْرُ شَبَکَۃُ طَائِرِ الْحِکْمَۃِ".(۶)

تدبر کا لغوی مفہوم:

"اَلتَّدَبُّرُ" اَلتَّفَکُّرُ فِیہِ.(۷)

یعنی "کسی شی میں کچھ جاننے یا پانے کی کوشش کرنا۔"

جیسا کہ کہا جاتا ہے: "فلان مایدری قِبَالَ الْاَمْرِ مِنْ دِبَارِہٖ"

یعنی "وہ شخص اس کام کے آگے اور پیچھے سے واقف نہیں (یعنی آداب و اصول اور نتائج سے آگاہ نہیں)"۔

تدبر کا اصطلاحی مفہوم:

"اَلتَّدَبُّرُ عِبَارَۃٌ عَنِ النَّظْرِ فِی عَوَاقِبِ الْاُمُوْرِ" (۸)

یعنی "تدبر دراصل زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے اثرات اور نتائج و ثمرات سے آگاہی حاصل کرنے کو کہتے ہیں"۔

تفکر اور تدبر کا باہمی فرق: تفکر وہ قوت ہے جو کسی کام کو انجام دینے سے پہلے کوئی دلیل تلاش کرنے میں عقل اور دل کی راہنمائی کرے، جبکہ تدبر وہ صلاحیت ہے جو اپنی قوت قاہرہ سے اس کام کی انجام دہی کے بعد پیدا ہونے والے اثرات اور مرتب ہونے والے نتائج سے دل و دماغ کو خبر دے۔ چنانچہ شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ان التکفر تصرف القلب بالنظر فی الدلیل والتدبر تعرفه بالنظر فی العواقب.(۹)

یعنی "تفکر دل کو دلیل کی تلاش میں راہنمائی فراہم کرتا ہے اور تدبر اس کے قائم ہونے سے اس کے نتائج و اثرات کے جاننے میں مدد کرتا ہے"۔

استاذ گرامی علامہ اللہ بخش اوکیی فرماتے ہیں:

تفکر کا لغوی معنی غور کرنا ہے اور اصطلاحی منطق میں دو معلوم شدہ تصورات کو ملا کر ایک مجہول شی کا حاصل کرنا تفکر کہلاتا ہے جیسے حیوان اور ناطق دو معلوم شدہ تصورات کو ملایا تو ہمیں ایک مجہول شی، انسان کا علم ہوا۔ دوسرے لفظوں میں امور معلوم کو ترتیب دے کر امور مجہولہ کے حاصل کرنے کو تفکر کہتے ہیں۔

جبکہ امور مجہولہ کے حصول کے بعد اس پر عمل کرنے سے خطرناک نتائج کا ڈر ہو، دل متردد ہو، تو یہ درد، شک اور شبہ کی قوت متحرک جو علم کی جستجو اور نتائج وعواقب اور اثرات و ثمرات کی طلب و تڑپ میں کود کر معلوم شی تک آنا چاہتی ہے یہ تدبر ہے۔ جو فکر پہ سوار ہوتا ہے۔ اور فکر کی قوت حسب عقل ونظر اسے آگے بڑھاتی ہے تاکہ وہ آئندہ مرتب ہونے والے اثرات سے آگاہ ہو سکے۔ لہٰذا فکر کیلئے مطلوبہ شی کا تصور وتصویر کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ کی ذات کی بجائے صفات میں تأمل ونظر کرو۔ مختصر یہ کہ تفکر سواری ہے اور تدبر سوار ہے۔(۱۰)

تفکر و تدبر کی اہمیت: اللہ کی ذات وصفات اور تخلیقات کو، اپنے ذہن میں لاکر ان کے مقاصد کا کھوج لگانا غور وفکر کہلاتا ہے۔ تدبر و تفکر دراصل کسی ذہن کی اس قوت و صلاحیت کا نام ہے جو علم کو تلاش کرکے معلوم بناتی ہے۔ اور پھر اس معلومات کی روشنی میں مستقبل کے اہداف کا تعین، مسائل کا حل اور منزلوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ چنانچہ صاحب تفسیر الحسنات لکھتے ہیں:

"غور وفکر وہ عملی قوت ہے جو نامعلوم شی سے معلوم تک لے جاتی ہے اور یہ صرف انسان کا خاصہ ہے"۔(۱۱)

غور وفکر کی صلاحیت ہر انسان میں ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے مقصد زیست کا پتا لگا سکے۔ وہ اپنی حیثیت، اللہ کی معرفت اور اس کے شاہکار اعظم کی حقیقت سے واقف ہو سکے۔ اور وہ یہ راز بھی پالے کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔ اس وقت کہاں ہے۔ پھر کب اور کس وقت اسے کہاں چلے جانا ہے۔ چنانچہ علامہ صاوی لکھتے ہیں:

"ثَمَرَۃُ الْفِکْرِ الْاِسْتِدْلَالُ وَالْمَعْرِفَۃُ بِاللّٰہِ".(۱۲)

یعنی "فکر کا نتیجہ استدلال ومعرفت الٰہی ہے۔"

بیداری کی لہر! اسلامی تعلیمات کے ذریعے سے معمولی عمل کو بھی غیر معمولی بنایا جاسکتا ہے کیونکہ اسلام بندے کو لکھنا، پڑھنا اور سوچ کے ذریعے آگے بڑھنا سکھاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ انسان کی خفیہ صلاحیتوں کو تدبر و تفکر اور سوچ و بچار کی عادت و مشقت سے ہی بیدار کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ محمود بن عمر زمخشری لکھتے ہیں:

"الفکرة تذهب الغفلة وتحدث للقلب الخشیة کمایحدث الماء للزرع النبات وما جلیت القلوب بمثل الأحزان ولا استنارت بمثل الفکرة". (۱۳)

یعنی" غور و فکر کی عادت سے غفلت کے پردے دور ہوتے ہیں، دل کی قساوت و سختی، نرمی میں بدل جاتی ہے۔ جہاں خیر و بھلائی کے خیالات جنم لیتے ہیں۔ دل غم کے کانٹوں سے پاک اور فکر کی تمازت و گرمی سے منور ہو جاتا ہے۔"

عقلمندی کا نشان! تدبر و تفکر اور سوچ و بچار سے خود آگاہی و خود تنقیدی کی قوت پیدا ہوتی ہے جس سے بے معنی و فضول زندگی اور بامعنی و محبوب زندگی کا تصور و خیال جنم لیتا ہے۔ بندے کے دل میں کوئی ہنر آزمانے، دنیا کو حیران کرنے اور کوئی عظیم کارنامہ انجام دینے کی امنگ و آرزو پیدا ہوتی ہے۔ صبر و تحمل، ربط و ضبط، برداشت و برداشت اور جذب و استقلال کی استعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے اور بندہ دانشمندی و عقلمندی کا نشان بن جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا"۔(۱۴)

ترجمہ: یعنی" وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں کے بل لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔"

ترقی کا راز! مسلمانوں کی سماجی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کا راز قرآنی آیات میں غور و فکر کرنے اور انہیں اپنانے میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

آنکھوں کو عبادت میں سے انکا حق دو! عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ انکا عبادت

سے کیا حصہ ہے؟ فرمایا: قرآن مجید دیکھنا اور اس میں غور و فکر کرنا اور اس کے عجائبات سے نصیحت حاصل کرنا۔(۱۵)

تدبر و تفکر کے زاویے: تدبر و تفکر کے زاویے درست ہونا لازم ہے۔ اور تدبر و تفکر کے زاویے کو اتباع رسول ﷺ سے ہی درست رکھا جاسکتا ہے۔ تدبر و تفکر اور سوچ کا محور و مرکز اگر بیت اللہ اور گنبد خضریٰ نہ رہے تو انسان ذہول فکر خود کو بھی بھول جائے گا۔ اسی لئے رب کریم نے فرمایا ہے:

"وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ" (۱۶)

یعنی" تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انکو اپنے آپ سے غافل کردیا۔"

گویا سوچ کا قبلہ اور فکر کا کعبہ اگر درست سمت (قرآن و حدیث بیت اللہ و گنبد خضریٰ) نہ رہے تو شکستہ و بیمار افکار جنم لیتے ہیں جو معاشرے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

کو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ مگر

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

تدبر و تفکر کی فضیلت: انسان کا وجود باطنی نفس اور ظاہری بدن سے مرکب ہے۔ لہذا اسے چاہیے کہ انفس و آفاق اور مصائب و مشکلات میں غور و فکر کیلئے روحانی و قلبی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے تاکہ نتیجہ جلد اور پُر تاثیر ظاہر ہو۔ چنانچہ رب کریم فرماتا ہے:

"سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ" (۱۷)

ترجمہ: عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود انکی اپنی ذات میں بھی یہاں تک اُن پر واضح ہوجائے کہ یہی حق ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کفار کو اپنی قدرت دکھائیں گے شمس و قمر، نجوم، ریاح، مطار، جبال، بحار اور دیگر عجائبات اور انفس میں ان کی پہلی پیدائش، نطفہ، علقہ، مضغہ، عظاما، پھر پیٹ میں رہنے کی مدت، پھر نہایت ضعف کے ساتھ دنیا میں آنا، پھر قوت کا آنا وغیرہ چنانچہ علامہ شیخ احمد بن محمد الصاوی (متوفی ۱۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:

"لأن حكمة هذه الآيات النظر، و التأمّل و الاعتبار، فمن اعتبر بهذه الآيات فقد سعد، ومن تركه فقد شقي" (۱۸)

یعنی "ان آیات کی حکمت یہ ہے کہ غور و فکر، تامل و اعتبار کیا جائے تو جس نے ان آیات سے عبرت پکڑی وہ سعادت مند ہوا، اور جس نے ان آیات کو غور و فکر کیے بغیر ہی چھوڑ دیا تو وہ بد بخت ہوگا۔"

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کھانا اور پیا جانا تو ایک ہی رستے سے ہے مگر پھر الگ الگ راستوں سے برآمد ہوتا ہے۔ اختلاط نہیں ہوتا۔ اور ذرا آنکھ کو دیکھو کہ زمین سے پانچ سو سال کی دوری پر آسمان کو دیکھتی ہے۔ کان مختلف آوازوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ یہ سب کیسے ہوتا ہے؟ (۱۹)

امام ابوجعفر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

"وخصّ به اهل الفكر، لانهم اهل التمييز بين الأمور و الفحص عن حقائق مايعرض من الشبهه في الصدور" (۲۰)

یعنی "اس آیت کے ذریعے اللہ نے اہل فکر کو خاص کیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو امور شریعت میں تمیز کر سکتے ہیں اور دلوں میں پائے جانے والے شکوک و شبہات میں سے حق کو تلاش کر سکتے ہیں۔"

نبی ﷺ نے فرمایا:

"ولا عبادة كالتفكر". (۲۱)

"اور غور و فکر سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے۔"

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"تفكّر ساعةٍ خيرٌ مِنْ قيامِ ليلةٍ" (۲۲)

یعنی "ایک لمحہ کا غور و فکر ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے"۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"تفكر ساعة في اختلاف الليل و النهار خير من عبادة ثمانين سنة". (۲۳)

یعنی "دن رات کے آنے جانے میں ایک ساعت فکر کرنا اسی سالہ عبادت سے بہتر ہے۔"

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"فكرة ساعةٍ خيرٌ مِن عبادة ستين سنة"۔ (۲۴)

یعنی "ایک لمحے کا غور و فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

حضرت عامر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

میں نے ایک، دو یا تین سے نہیں بلکہ کئی اصحاب رسول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

"إنّ ضياء الايمان أو نورَ الايمان التفكّر". (۲۵)

یعنی "ایمان کی ضیا یا روشنی فکر ہے۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"الفكرة مرآة تريك حسناتك و سيئاتك". (۲۶)

"غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں اور بھلائیاں پیش کردیگا"۔

ملتے رہیں گے خاک میں لیکن بطفیل فکر
اسرار کائنات پہ چھاتے رہیں گے ہم

حضرت سفیان عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"الفكرة نور يدخل قلبك"

یعنی "فکر ایک نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہو جائے گا۔"

آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

إذا المرء كانت له فِكرَةٌ
ففي كُلِّ شيٍ له عِبرَةٌ

یعنی "جس شخص کو فکر کی عادت لگ جائے اسے ہر شئی میں عبرت نظر آتی ہے۔" (۲۷)

مومن کی فکر اسے خالق تک لے جاتی ہے جبکہ غیر مومن کی فکر مخلوق کی بناوٹ میں لے جاتی ہے۔ جس سے مادی ترقی تو ہو جاتی ہے مگر من کا اندھیرا نہیں مٹتا اور نہ ہی یقین کا چراغ روشن ہوتا ہے۔

کافر کے دل سے آیا ہوں یہ دیکھ کر فراز

خدا موجود ہے وہاں اسے پتا نہیں

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

اہل عقل ہمیشہ ذکر کے ساتھ فکر کرتے رہتے ہیں اور فکر کے ساتھ ذکر کرتے رہتے ہیں۔ بالآخر ان کے دل بولنے لگتے ہیں تو وہ کلام حکمت کرتے ہیں۔ **(۲۸)**

حضرت عون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"سألتُ أمَّ الدرداء ماكان أفضل عبادة أبي الدرداء؟قالت: التفكر و الاعتبار". (۲۹)

ترجمہ: "میں نے اُم درداء سے پوچھا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی سب سے بہترین عبادت کیا تھی۔ فرمانے لگیں: غور و فکر اور عبرت پکڑنا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے:

"طوبیٰ لمن کان قیله تذكّراً و صمته تفكّراً و نظره عبراً". (۳۰)

ترجمہ: "خوشخبری ہے اس شخص کے لیے کہ جس کی بات چیت اللہ کا ذکر ہو اور جس کی خاموشی میں تفکر ہو اور جس کی نظر میں عبرت ہو۔"

ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نُزهة المؤمن الفكرُ * لذة المؤمن العِبَرُ (۳۱)

ترجمہ: یعنی "مومن کی تفریح فکر کرنا ہے اور مومن کی لذت عبرت پکڑنا ہے۔"

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

خاموشی کے ذریعے کلام کرنے پر اور فکر کے ذریعے استنباط کرنے پر مدد حاصل کرو، کیونکہ حکمت درحقیقت فکر سے ہی ممکن ہے۔ **(۳۲)**

تفکر و تدبر کی دعوت !! اسلام اپنے ماننے والوں کو غور و فکر، تدبر و تفکر، سوچ و بچار کرنے اور عقل و خرد کی صلاحیتوں کو کام میں لا کر دانش ور و دانشمند بننے کی نہ صرف دعوت دیتا ہے۔ بلکہ اس کے طریقے بتا کر مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فاعتبروا یا اولی الأبصار". (۳۳)

ترجمہ: یعنی "غور و فکر کرو اے عقلمندو!"

اس لئے کہ تفکر و تدبیر ہی ہدایت و حکمت کا راستہ کھول سکتی ہے۔ یہ آیت قیاس کی محکم دلیل ہے اور قیاس بھی غور و فکر، تدبر و اعتبار اور اجتہاد کا نام ہے۔

"فاعتبروا" اَمر کا صیغہ ہے، گویا اللہ کریم غور و فکر اور اجتہاد و اعتبار کا حکم ارشاد فرما رہا ہے۔ اب عقلمند وہی ہوگا جو اس حکم الٰہی پر عمل کرے۔ فرمان الٰہی ہے:

"وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ". (۳۴)

ترجمہ: یعنی "وہ (اللہ) تمہارے دل میں رہتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کائنات کی وسعتوں میں باریکی و نزاکتوں کا مطالعہ نہ کر سکو تو اپنے اندر ہی جھانک کر دیکھ لو۔ چنانچہ علامہ احمد بن محمد الصاوی لکھتے ہیں:

"افلا تبصرون جملة مُستأنفة قصدَ بِهَا الْحَثُّ عَلى النَّظَرِ وَ التَّأمُّلِ". (۳۵)

ترجمہ: یعنی "اَفَلَا تُبصِرُون" جملہ مستانفہ ہے جس سے اللہ کریم نے اپنے بندوں کو وقت نظری سے مطالعۂ کائنات اور تامل (غور و فکر) کرنے پر ابھارا ہے"۔

رب کریم فرماتا ہے:

"يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا". (۳۶)

ترجمہ: یعنی "اے ایمان والو! "راعنا" نہ کہا کرو اور کہا کرو کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے۔"

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

"قیل هو من نظر البصيرة و المراد به التفكر و التدبر فيما يصلح حال المنظور في أمره والمعنىٰ تفكر في أمرنا"(۳۷)

یعنی "کہا گیا ہے کہ "انظرنا" کی درخواست کا مطلب ہے دل کی آنکھ سے دیکھنا۔ اور اس سے مراد تفکر و تدبر کرنا ہے۔ التجا کرنے والوں کے معاملات میں فکر کرنا اور ان کے مسائل کے بارے میں سوچنا اور حل کرنا تفکر و تدبر کہلاتا ہے۔"

اللہ کریم فرماتا ہے:

"فسيروا في الأرض فانظروا كيف كان عاقبة المكذبين". (۳۸)

ترجمہ: یعنی "زمین میں سیر و سیاحت کرو اور فکر کرو، عبرت حاصل کرو کہ جھوٹوں کا انجام کیا ہوا تھا۔"

شیخ احمد بن محمد الصاوی (متوفی ۱۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

"امر لأهل مكة بالسير، والنظر في احوال من تقدمهم"(۳۹)

ترجمہ: "اس آیت میں اہل مکہ کو سیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور گزرے ہوئے لوگوں کے حالات میں تفکر و تدبر کرنے کا کہا گیا ہے۔"

رب جلیل فرماتا ہے:

"افلا يتدبرون القرآن". (۴۰)

ترجمہ: "کیا وہ لوگ قرآن میں تدبر و تامل نہیں کرتے۔"

امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

"دلت الآية على وجوب النظر والاستدلال". (۴۱)

یعنی "یہ آیت نظر و استدلال (تدبر و تفکر) کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔"

اللہ کریم کا ارشاد ہے:

"انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ". (۴۲)

ترجمہ: "ہر ایک (درخت) کے پھل کو دیکھو جب وہ پھل اٹھاتا ہے اور پھر پھل جب پکتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں (انظروا) کے معانی اعتبار و استدلال یعنی تفکر و تدبر ہے۔ یعنی غور و فکر کرو کہ کس طرح اللہ اپنی قدرت سے سوکھے اور سخت درختوں سے پھل لاتا ہے اور پکاتا ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی (متوفی ۷۲۵ھ) فرماتے ہیں:

"والمعنى انظروا نظر استدلال واعتبروا كيف اخرج الله تعالىٰ هذه الثمرة الرطبة اللطيفة من هذه الشجرة الكثيفة اليابسة"(۴۳)

"اور (انظروا) کے معنی ہیں غور و فکر اور استدلال و اعتبار کرنا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ تازہ اور لطیف کھجوریں اس کثیف اور سوکھے درخت سے نکالتا ہے۔"

قرآن کہتا ہے:

"افلا تعقلون". (۴۴)

ترجمہ: "تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے۔"

اس آیت کے ضمن میں امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

"كالبعث على التدبر في القرآن لانهم كانوا غفلاء لأن الخوض من لوازم الغفلة والتدبر دافع لذالك الخوض و دفع الضرر عن النفس من لوازم العقل فمن لم يتدبر فكانه خرج عن العقل." (۴۵)

ترجمہ: "گویا کہ قرآن میں تدبر و تفکر پر اُبھارا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ غافل تھے اور مشغولیت غفلت کے لوازمات میں سے ہے اور تدبر اس مشغولیت کو دور کرتا ہے اور نفس کو ہر طرح کے خطرات و نقصانات سے بچانا عقل کے لوازمات میں سے ہے تو جو کوئی تدبر نہیں کرتا وہ عقل کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔"

خلاصہ: رب کریم چاہتا ہے کہ تمام لوگ ادراک و شعور سے کام لیں اندھے اور آنکھ والے، جاہل اور عالم، دوست اور دشمن، حلال اور حرام میں تمیز کریں اور کوئی بھی شخص بے خبر نہ رہے۔ کیونکہ جہالت و لاعلمی اور غفلت و بے خبری انسان کو ذلیل و رسوا اور تباہ و برباد کردے گی۔ اسی لئے قیامت تک یہ صدائے حرم گونجتی رہے گی۔

افلا تتفکرون. (۴۶)

ترجمہ: کیا وہ تفکر نہیں کرتے!

افلا تعقلون. (۴۷)

ترجمہ: کیا وہ عقل نہیں رکھتے!

افلا یتدبرون. (۴۸)

ترجمہ: کیا وہ تدبر نہیں کرتے!

اس تجویہ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے:

"اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ". (۴۹)

یعنی "بے شک اس میں آنکھ والوں (دیکھنے والوں) کیلئے عبرت ہے۔"

پھر فرمایا:

"اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ". (۵۰)

ترجمہ: "بے شک اس میں عقل سے کام لینے والوں کیلئے نشانیاں ہیں"۔

اور پھر فرمایا:

"اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ". (۵۱)

ترجمہ: "بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔"

مزید ارشاد فرمایا:

"هُدًی وَّذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ". (۵۲)

ترجمہ: "ہدایت و نصیحت تو عقل والوں کیلئے ہے۔"

اس کا مطلب ہوا کہ ہدایت و نصیحت قبول کرنے اور واقعات و حادثات سے عبرت حاصل کرنے کیلئے بھی غور و فکر اور سوچ و بے چار کی ضرورت ہے۔ یہی فکری ایمان و عقیدہ ہی انسان کی اصلاح و فلاح کا ضامن ہے۔ فقط کسی مسلمان کے ہاں جنم لے لینا ہدایت و نصیحت پانے اور عقل مند ہونے کی نشانی نہیں ہے۔

غور و فکر کہاں کیا جائے؟ اسلام نے نہ صرف ہمیں غور و فکر کی دعوت دی ہے بلکہ ہمیں غور و فکر کے مواقع بھی سمجھا دیئے ہیں چنانچہ فرمان رسول ﷺ ہے:

عن عبداللہ بن سلام قال: "خرج رسول اللہ علی اصحابہ وھم یتفکرون فقال: لاتفکروا فی اللہ تعالیٰ ولکن تفکروا فیما خلق". (۵۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام سے اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "نبی ﷺ اپنے صحابہ کے پاس آئے اور وہ غور و فکر میں مشغول تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو بلکہ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے اس میں غور و فکر کرو۔"

گویا نبی ﷺ نے مخلوق کے اندر غور و فکر کا حکم دے کر شعور کو تازگی اور فکر کو بالیدگی عطا کر کے جدید سائنس کا دروازہ کھول دیا۔ آج مخلوقات میں غور و فکر کے نتائج و ثمرات ہمارے سامنے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا تھا اور پھر غور و فکر کرتے ہوئے بولا:

"واللہ انی لاعلم ان لک ربا وخالقا اللھم اغفرلی فنظر اللہ تعالیٰ لہ فغفرلہ". (۵۴)

ترجمہ: "اللہ کی قسم مجھے یقین ہے تمہارا بھی کوئی پالنے والا اور پیدا کرنے والا ہے۔ اے اللہ میری مغفرت فرما!! تو اللہ نے اس پر نگاہ لطف و کرم ڈالی اور اسے بخش دیا۔"

گویا مخلوقات کی چمک دمک، بناوٹ، سجاوٹ اور حسن و جمال اور ہنر و کمال میں ہی گم نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ ان کی صفات میں غور و فکر کرتے ہوئے ان کے خالق و مالک تک پہنچ جانا چاہئے۔

علامہ اقبال نے بھی کہا تھا:

کافر انفس و آفاق میں ہے گم
اور انفس و آفاق ہیں مسلمان میں گم

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن حضرت سہل بن علی کو دیکھا کہ وہ ساکن اور غور و فکر کر رہے ہیں فرمایا: کہاں تک پہنچے ہو؟ کہا تو پل صراط تک۔

گویا وہ غور و فکر کے ذریعے آخرت کی منزلیں ناپ رہے تھے۔ اور سوچتے سوچتے پل صراط تک جا پہنچے تھے۔ معلوم ہوا کہ اپنی آخرت اور انجام کے متعلق غور و فکر کرنا چاہئے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز اس میں چھپا ہے۔

حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

آنکھ کو رونے اور دل کو غور و فکر کرنے کا عادی کرو۔ اور دنیا میں غور و فکر آخرت سے حجاب اور اہل اللہ کیلئے عذاب ہے آخرت میں غور و فکر حکمت دیتی اور دل زندہ کرتی ہے۔

گویا دنیا میں غور و فکر آخرت سے غافل کر کے مخلوقات میں مشغول کر سکتا ہے جو اللہ

کے ماننے والوں کیلئے عذاب ہے، لہٰذا دنیا میں غور و فکر نہ کرو، آخرت میں غور و فکر سے دانائی و حکمت ملتی اور دل زندہ ہوتا ہے۔ یہ حکمت و دانائی دنیا و آخرت میں عزت و عظمت عطا کرتی ہے۔ لہٰذا آخرت میں غور و فکر کرکے زندہ و جاوید ہو جاؤ!!

حضرت ابو شریح رحمۃ اللہ علیہ جا رہے تھے۔ اچانک بیٹھے، کمبل اوڑھا اور رونے لگے۔ ان سے اس عمل کا سبب پوچھا گیا تو بولے میں نے عمر گزر جانے، کم عمل کرنے اور موت کے قریب ہونے پر غور کیا تھا تو یہ حالت ہوگئی۔ (۵۵)

گویا آخرت، موت، عمر کے مسلسل گھٹنے پر غور کرنے سے انسان ظلم و تعدی اور ناانصافی و استحصال جیسے کبیرہ گناہ سے بچتا ہے اور عاجزی و ندامت، احسان مندی و مہلت کے تصور سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آخرت، موت اور عمر رفتہ پر غور و فکر کرو۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

لو تفکر الناس فی عظمۃ اللہ تعالیٰ لما عصوہ. (۵۶)

کہ اگر لوگ عظمت الٰہی میں غور و فکر کریں تو اللہ کی نافرمانی نہ کریں۔

گویا گناہ اور نافرمانی سے بچنے کیلئے عظمت الٰہی میں غور و فکر کرنا چاہئے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

سب سے عمدہ اور بلند پایہ مجلس وہ ہے جو میدان توحید میں فکر کے ساتھ ہو۔ (۵۷)

فرمان الٰہی ہے:

"سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق". (۵۸)

ترجمہ: "عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور خود ان کے اپنے وجود میں یہاں تک کہ وہ مان لیں گے کہ یہی حق ہے۔"

آفاق اُفق کی جمع ہے جس کا معنی ہے کنارہ گویا آسمان و زمین کے قلابے ملنے کی جگہ اُفق کہلاتی ہے۔ اُفق بلندی یا بلند کنارے کو کہتے ہیں۔ وہاں شمس و قمر، نجوم، ہوا، بارش، پہاڑ، دریا اور دیگر عجائبات غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں اور مظاہر فطرت (انفس) یعنی اسکے وجود میں اسکی پیدائش کے مختلف مراحل، مثلاً نطفہ، علقہ، مضغہ اور عظام پھر پیٹ میں رہنے کی مدت،

پھر نہایت صنعت کے ساتھ دنیا میں آنا اور پھر لحہ بالحہ قوت و زور میں آنا۔ پھر کھانے اور پینے کا ایک ہی راستے سے اندر جانا اور الگ الگ راستوں سے خارج ہونا۔ آنکھ زمین سے پانچ سو سال کی دوری پر آسمان کو دیکھ سکتی ہے۔ کان مختلف آوازوں کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ یہ سب غور و فکر کی ہی دعوت دے رہے۔ (۵۹)

مگر لوگ غور و فکر سے غافل ہیں۔ ورنہ معرفت الٰہی کا چراغ جل چکا ہوتا۔ چنانچہ شیخ احمد بن محمد الصاوی (۱۱۷۵ھ ۱۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:

"لأن حکمۃ ھذہ الآیات النظر، والتامل، والاعتبار فمن اعتبربھذہ الآیات فقد سعد ومن ترکہ فقد شقی". (۶۰)

اس لیے کہ ان آیات کی حکمت یہ ہے کہ غور و فکر، سوچ بے چار اور خوب مغز ماری (دقت نظری سے مطالعہ کرنا) سے کائنات اور انسانی وجود کا مطالعہ کرنا تو جس نے بھی تحقیق و ریسرچ کی اور دقت نظری سے گہرا مطالعہ کیا تو وہ سعادت مند ہوں گے (کامیابیاں پائیں گے) اور جو آفاق وانفس میں تحقیق و ریسرچ سے جی چرائیں گے اور دقت نظری سے مطالعہ نہیں کریں گے۔ وہ بد بخت رہیں گے (کبھی ترقی نہ کرسکیں گے)۔

گویا انفس و آفاق میں تحقیق و ریسرچ اور عمیق و گہرا مطالعہ ہی ترقی کے راستے کھولتا ہے۔ جس کی مثال یورپ کی ترقی ہے اور مسلمانوں کی پسماندگی ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون. (۶۱)

ترجمہ: اپنی حس و حرکات اور حیات میں غور کرو۔

اپنے اطراف واکناف اور اردگرد کے ماحول میں غور کرو شاید اختلاف زبان و صورتیں، رنگ و طبائع کے اختلافات کے عجائب و غرائب تمہارے اندر معرفت الٰہی کے چراغ روشن کردیں تو کیا تم غور نہیں کروگے؟ (حاشیۃ الصاوی جلد رابع۔ ذاریات۔ ۲۱)

وان لکم فی الأنعام لعبرۃ. (۶۲)

ترجمہ: "تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔"

اس کا مطلب ہے کہ ذرا تفکر و تدبر سے کام لو تاکہ تم جان لو کہ اتنے گراں ڈیل اور

جانور بھی تمہارے لئے اللہ نے مسخر کر دیئے ہیں تاکہ حضرت انسان غور کرے اور اللہ کے سامنے جھکا رہے۔

تفکر و تدبر کا حصول: تفکر و تدبر اگر کسی عادت و خصلت کا نام ہے تو سوال یہ ہے کہ کس طرح کوئی شخص اس عادت کو اپنا سکتا ہے؟ اور اگر تفکر و تدبر اللہ کی نعمت اور خداداد صلاحیت ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ صلاحیت کب اور کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

چنانچہ ان سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں:

''تفکر ذکر پر دوام اور ثابت قدمی سے نصیب ہوتا ہے جو متنبہ کرتا ہے کہ عقل ہدایت کیلئے کافی نہیں ہے۔ نہ ہی عقل ذکر الٰہی کے نور سے منور ہوگی بلکہ تفکر کے حصول کیلئے ذکر کے ساتھ رجوع الی اللہ اور شریعت کی رعایت رکھنا بھی ضروری ہے، کیونکہ شریعت کی مخالفت پہ کمربستہ عقل نے گمراہی کا لباس پہن رکھا ہوتا ہے، سو اس طرح کی عقل سے تفکر و تدبر کرنا سوائے گمراہی کے کچھ نہیں لاتا ہے۔ (۶۳)

امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"یا ابن آدم، کُلْ فی ثلث بطنک واشرب فی ثلثة ودع ثلثة الآخر تتنفس للفکرة". (۶۴)

ترجمہ: ''اے ابن آدم! پیٹ کا تیسرا حصہ کھایا کر اور تیسرا حصہ پانی پی اور دوسرا تہائی حصہ خالی چھوڑ دے تاکہ وہ تفکر و تدبر کی کوشش کرے۔''

گویا تفکر و تدبر کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ کم کھایا جائے اگر زیادہ کھانا کھایا گیا تو خمار چھایا رہے گا جو سستی و کاہلی کا باعث ہوتا ہے اور فکر کو ناکارہ کر دیتا ہے۔

حکیم لقمان کا قول ہے:

"إن طول الوحدة ألهَمُ للفکرة، وطولَ الفکرة دلیل علی طرق باب الجنة". (۶۵)

ترجمہ: ''بے شک طویل تنہائی فکر کی طرف متوجہ کرتی ہے اور طویل فکر جنت کے راستوں کی نشاندہی کرتی ہے۔''

گویا کسی گوشہ عافیت میں طویل تنہائی کی مشق سے تفکر و تدبر کی صلاحیت حاصل ہوتی

ہے۔ جو بالآخر جنت کے دروازے پر لاکھڑا کرتی ہے۔

حضرت صوفی رب نواز لکھتے ہیں:

تفکر، کثرت ذکر و مجاہدہ اور مراقبہ و محاسبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جو راہ سلوک وا کرتے ہوئے ولایت کبریٰ کے مقام تک پہنچاتا ہے۔ تفکر و تدبر کی عادت، اطاعت و عبادت، استقامت اور علم و حکمت کی بنیاد ہے۔ صالحین کی صحبت سے بھی فکر جاگتی ہے۔ سوچ کی گرہیں کھلتی ہیں اور معرفت حق کی کلیاں کھلتی ہیں۔

بنتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم
لے تو بھی اپنے مقدر کا ستارہ پہچان

ہماری سوچ کا مرکز گنبد خضریٰ اور فکر کا محور بیت اللہ ہونا چاہیے۔ ہمارے تفکر و تدبر کا منبع و مبداء محبت رسول ﷺ ہونا چاہئے تو ان شاء اللہ العزیز دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں کامیابی ہوگی۔ (۶۶)

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور افریقی۔ لسان العرب۔ باب الفاء۔ ص ۲۹۳۔ دار الاخیار۔ ریاض۔ طبع جدید۔ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۲۔ لسان العرب۔ ص ۲۲۸

۳۔ السید الشریف ابو الحسن علی بن محمد بن علی۔ التعریفات۔ باب الفاء۔ ص ۶۷۔ دار الکتب العلمیہ۔ الحسنی الجرجانی الحنفی متوفی ۸۱۶ھ۔ بیروت۔ طبع اولیٰ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

۴۔ السید الشریف ابو الحسن علی بن محمد بن علی۔ التعریفات۔ باب الفاء۔ ص ۶۷۔ دار الکتب العلمیہ۔ الحسنی الجرجانی الحنفی متوفی ۸۱۶ھ۔ بیروت۔ طبع اولیٰ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

۵۔ ایضاً   ۶۔ التعریفات ص ۶۷

۷۔ لسان العرب باب الدال ص ۴۷۷   ۸۔ التعریفات۔ ص ۵۸   ۹۔ التعریفات۔ ص ۵۸

۱۰۔ علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی (متوفی ۷۲۵ھ) تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۳۹۔ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت۔ طبع اولیٰ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۱۱۔ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری۔ تفسیر الحسنات۔ ج ۱ ص ۲۹۴۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

۱۲۔ حاشیہ صاوی۔ ج ۱۔ ص ۲۶۱

۱۳۔ تفسیر کشاف۔ ج۔۱ص ۳۲۷۔ دار الکتاب العربی، بیروت۔ ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء

۱۴۔ آل عمران۔ ۱۹۱ ۱۵۔ مکاشفۃ القلوب ص ۳۷۸ ۱۶۔ حشر۔ ۱۹ ۱۷۔ حم سجدہ۔ ۵۳

۱۸۔ حاشیہ الصاوی۔ ج۔۴ الف۔ ص ۲۱۷ ۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ تفسیر طبری۔ ج۔ ۱۵۔ آیت۔ ۴۴۔ ص ۵۷۔ تحقیق احمد محمد شاکر۔ موسسۃ الرسالۃ۔ ۲۰۰۰ء

۲۱۔ بیہقی۔ فی شعب الایمان حدیث ۴۶۲۸ ۲۲۔ تفسیر قرطبی۔ ج۔ ۴۔ ص ۳۱۴

۲۳۔ تفسیر روح المعانی۔ ج۔ ۳ ص ۳۶۷ ۲۴۔ تفسیر روح المعانی۔ ج۔ ۴ ص ۵۰۲

۲۵۔ تفسیر روح المعانی۔ ج۔ ۴ ص ۵۰۲

۲۶۔ ابن کثیر القرشی۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج۔ ۲ ص ۱۸۴۔ تحقیق۔ سامی بن محمد سلامہ۔ دار طیبہ۔ طبع ثانی۔ ۱۹۹۹ء

۲۷۔ ایضاً۔ ص ۱۸۴

۲۸۔ امام محمد بن محمد الغزالی۔ مکاشفۃ القلوب ص ۳۸۰۔ مکتبہ اسلامیات اندرون دہلی دروازہ۔ لاہور

۲۹۔ روح المعانی۔ ج۔ ۴ ص ۵۰۲ ۳۰۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج۔ ۲ ص ۱۸۴

۳۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج۔ ۲ ص ۱۸۵ ۳۲۔ مکاشفۃ القلوب۔ ص ۳۸۰

۳۳۔ حشر۔ ۲ ۳۴۔ ذاریات۔ ۲۱ ۳۵۔ حاشیہ الصاوی۔ جلد رابع۔ ذاریات۔ ۲۱

۳۶۔ بقرہ۔ ۱۰۴ ۳۷۔ روح المعانی۔ ج اول۔ ص ۴۷۵۔ دار احیاء التراث العربی۔ بیروت ۱۹۹۹ء

۳۸۔ نحل۔ ۳۶ ۳۹۔ حاشیہ الصاوی۔ جلد ثانی۔ ص ۲۶۷۔ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت ۲۰۰۲ء

۴۰۔ سورۃ نساء۔ ۸۲ ۴۱۔ تفسیر کبیر۔ مجلد الخامس۔ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت۔ ۲۰۰۴

۴۲۔ سورۃ الانعام۔ ۹۹ ۴۳۔ تفسیر الخازن۔ مجلد ثانی۔ ص ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت طبع اولیٰ ۲۰۰۴ء

۴۴۔ سورۃ الانبیاء ۴۵۔ تفسیر کبیر۔ مجلد حادی عشر۔ ص ۱۴۳۔ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت۔ ۲۰۰۴ء

۴۶۔ ذاریات۔ ۲۰ ۴۷۔ انبیاء۔ ۱۰ ۴۸۔ محمد۔ ۲۴ ۴۹۔ آل عمران۔ ۱۳ ۵۰۔ النحل۔ ۶۷

۵۱۔ النحل ۶۹ ۵۲۔ مومن۔ ۵۴ ۵۳۔ روح المعانی ج۴ ص ۵۰۱

۵۴۔ تفسیر کشاف۔ ج۔۱ ص ۳۲۷ ۵۶۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج۔۲۔ ص ۱۸۵

۵۵۔ مکاشفۃ القلوب۔ ص ۳۷۹ ۵۷۔ مکاشفۃ القلوب ص ۳۷۸ تا ۳۸۰

۵۸۔ حم سجدہ۔ ۵۳ ۵۹۔ حاشیہ الصاوی۔ جلد ۴ حم سجدہ۔ ۵۳

۶۰۔ ایضاً، فصلت ۶۱۔ سورۃ الذاریات۔ ۲۱

۶۲۔ النحل۔ ۲۶ ۶۳۔ روح المعانی۔ جلد ۴۔ ص ۵۰۲

۶۴۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج۔ ۲ ص ۱۸۵ النساء۔ ۱۹ ۶۵۔ ابن جریر طبری۔ تفسیر طبری۔ ج۔ ۱۵ ص ۵۷

۶۶۔ کنز العرفان۔ ص ۱۳۱۔ دربار عالیہ گھمکول شریف۔ کوہاٹ

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹ شمارہ ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

مدارس ہائے نظامیہ

(اصفہان، مرو، موصل، آمل، بصرہ، ہرات، بلخ، جزیرہ ابن عمر، خرگرد، رے)

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

Abstract

Madaris had played significant role in Muslim educational and cultural history. Madaris-e-Nizamia are the great Muslim educational institutions founded by Seljuk's Prime Minister Khwaja Nizam al-Mulk al-Tusi , in several cities of the state.

These Madaris gave enormous scholars to Islamic world whose intellectual works are still benefiting Islamic world.

Present article shed the light on the history of Madaris-e-Nizamiyah Isfahan, Marw, Aamul, Basra, Hirat, Balkh, Jazera Ibn Umar, Khirgard (Khwaf) and Rey and also stated the life of some of the teachers and students of these Madaris.

نظام الملک طوسی نے اپنے عہد وزارت میں جو مدرسے قائم کیے وہ سب نظامیہ کہلائے اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد(۱) ان مدارس میں سب سے اہم اور عظیم الشان مدرسہ تھا۔ دوسرا اہم مدرسہ، مدرسہ نظامیہ نیشاپور(۲) تھا جس کا تذکرہ گذشتہ مقالہ میں کیا جاچکا ہے۔

سلجوقی سلطنت کا کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں نظام الملک نے مدرسہ قائم نہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں درج ذیل گیارہ شہروں کے نام ملتے ہیں جہاں مدارس نظامیہ قائم تھے:

نیشاپور، بغداد، اصفہان، آمل طبرستان، بصرہ، بلخ، جزیرہ ابن عمر، خرگرد (خواف)، مرو، موصل اور ہرات(۳)

اس مقالہ میں ہم ان مدارس ہائے نظامیہ (ماسوا نظامیہ نیشاپور و بغداد) کا تذکرہ کریں گے جو عموماً پردۂ اخفا میں رہے اور تاریخ میں ان کے حالات پر بہت کم روشنی ڈالی گئی۔

نظامیہ اصفہان

اصفہان، عراق عجم (ایران) کا ایک ممتاز شہر ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں اصفہان شیعی مذہب کے امراء کا مرکز حکومت بنا۔ آل زیاد اور آل بویہ نے اسے اپنا مستقر بنایا۔ [illegible]ھ کے زمانے میں اصفہان عالم اسلام کا سیاسی مرکز اور اس زمانہ کے دنیا کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر تھا۔ مشہور ایرانی شاعر اور سیاح ناصر خسرو، جس نے سلجوقی حکومت کے آغاز میں اصفہان کی سیر کی تھی، لکھتا ہے:

"میں نے فارسی بولنے والوں کے پورے علاقے میں اصفہان سے بڑھ کر صاف، بڑا اور آباد شہر نہیں دیکھا۔"(۴)

ابن بطوطہ اصفہان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اپنی آبادی، رونق، ثروت اور خوبیوں کے باعث اصفہان مشہور آفاق تھا۔ چنانچہ اس کا نام ہی 'اصفہان نصف جہان' پڑ گیا تھا۔ یعنی جس نے اصفہان کی سیر کر لی، اس نے آدھی دنیا کی سیر کر لی۔(۵)

اصفہان، سلجوقیوں کے دور میں ایک اہم علمی و ادبی مرکز رہا۔ تین عظیم سلجوقی